© rasailojaraid.com

مولانا ابوالکلام آزاد کا تصوّرِ حدیث اور اُن کی خدمات

مولانا غلام رسول مہر

بیاورید گر ایں جا بود زباندانے
غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد

"الرحیم" کی اشاعت اکتوبر میں ایک تحریر شائع ہوئی ہے، جس میں ابوسلمان صاحب شاہجہان پوری کے ایک مقالے پر تبصرہ فرماتے ہوئے ایک بزرگوار نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور کو ہدف بنالیا۔ وہ مقالہ مولانا مرحوم کا نہ تھا کہ مذکورہ بالا تقریب کے لئے کوئی بعید سے وجہ جواز بھی ذہن میں آسکتی۔ یقیناً اس میں "ترجمان القرآن" جلد دوم سے بعض اقتباسات لیے گئے تھے، لیکن نہیں کہا جاسکتا کہ ان اقتباسات کے نظم و ترتیب یا ان سے اخذ نتائج یا طریقِ استدلال کو مولانا آزاد رح کی ذاتِ گرامی سے کوئی بعید سا بھی تعلق تھا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ انہیں زیرِ انتقاد لانے کے لئے اک گونہ اضطراب و بے تابی کا حقیقی سبب کیا ہوا؟

ذمہ داری کا تقاضا

جس کتاب سے یہ اقتباسات لئے گئے تھے وہ تیس سال سے چھپی ہوئی موجود ہے۔ اس کے کئی اڈیشن (مستند و غیر مستند) چھپ چکے ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس تک دسترس مشکل تھی۔ اگر صاحبِ تحریر جنہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"الرحیم" کی "مقصدیت" کے لئے خاص تڑپ کا اظہار فرمایا، گراں بہا ذمہ داری کا احساس رکھتے اور اصل کتاب دیکھ لیتے تو انہیں یہ اندازہ کرنے کا یقیناً بہتر موقع مل جاتا کہ آیا وہ مفہوم واقعی درست و محکم ہے جو زیر نظر مقالے کے سرسری مطالعے سے مولانائے مرحوم کے نقطہ نگاہ کے متعلق انہوں نے سمجھا؟ اہل تحقیق کا شیوہ یہ نہیں ہوتا کہ کوئی چیز سرسری طور پر دیکھیں پھر جو فرد آپ کے سامنے آجائے اس پر تعریض کی بجلیاں گرانے میں مصروف ہوجائیں۔

تین کتابیں

مولانا ابوالکلام ؒ نے ۱۹۱۵ء میں فیصلہ کیا تھا کہ قرآن مجید کے فہم و مطالعہ کے سلسلے میں تین مختلف ضرورتوں کے لئے تین چیزیں مرتب کردی جائیں۔ جیسا کہ انہوں نے خود "ترجمان" کی جلد اول کے آغاز میں اختصاراً فرمایا تھا یعنی:

۱۔ عام تعلیم کے لئے ترجمہ، جسے انہوں نے "ترجمان القرآن" سے موسوم فرمایا۔

۲۔ مطالعے کے لئے تفسیر، جس کا صرف ایک نمونہ بہ سلسلہ تفسیر فاتحہ "ترجمان" جلد اول کے ساتھ شائع ہوا یا قرآن مجید کے سلسلے میں بعض تاریخی مباحث کا ایک ٹکڑا جلد دوم میں سورہ کہف کے ساتھ شامل کیا۔

۳۔ اہل علم و نظر کے لئے مقدمہ، جس کا صرف ایک نامکمل فرمہ اب "ام القرآن" کے ساتھ چھپا ہے۔ مولانا نے کئی مرتبہ فرمایا کہ مقدمے میں قرآن مجید کے تمام بنیادی مطالب چوبیس عنوانوں کے تحت مرتب کر دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد قرآن مجید کے متعلق انشاء اللہ کوئی ضروری مسئلہ باقی نہ رہ جائے گا۔

ترجمان کا دائرہ بحث

غرض "ترجمان" صرف عام تعلیم کے لئے تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مطالب قرآنی کے فہم و تدبر کے لئے ایک ایسی کتاب تیار ہوجائے، جس میں کتب تفسیر کی تفصیلات تو نہ ہوں، مگر وہ سب کچھ ہو، جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کے لئے ضروری ہے۔ ترجمے کے ساتھ نوٹ اس غرض سے شامل کئے گئے کہ متعلقہ آیات کے متعلق مختصر الفاظ میں مطالب و معارف کا مزید ذخیرہ مہیا ہوجائے۔ یہ نوٹ تشریح و وضاحت کا ایک مزید درجہ ہیں۔ ورنہ قرآن کا مطلب صاف سمجھ لینے کے لئے اصل ترجمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کفایت کرتا ہے عموماً اس سے زیادہ طلب و ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

یہ تفصیل "ترجمان القرآن" کا دائرہ تحدید و بحث واضح کرنے کی غرض سے عرض کرنی پڑی۔ یہ کتاب قرآن مجید کی تفسیر نہ تھی کہ اس میں ہر مسئلے کے ایک ایک پہلو پر سیر حاصل بحثیں کی جاتیں۔ البتہ اہل شوق کا اصرار بڑھ گیا تو دوسری جلد میں مولانا نے بعض اہم مطالب کی مزید توضیح و تفہیم کے لئے مختلف سورتوں کے آخر میں کچھ مباحث دیئے، لیکن کتاب کا عام دائرہ بحث وہی رہا، جو ابتدا میں مقرر کر لیا گیا تھا اور اسے تفسیر کا درجہ حاصل نہ ہوا۔

ابتلاء کی بجلیاں

نومبر ۱۹۱۵ء میں مولانا نے ایک طرف "البلاغ" جاری کیا۔ ساتھ ہی "ترجمان القرآن" لیتھو میں اور "البیان" ٹائپ میں چھپوانے کا انتظام کر لیا۔ ساتھ ساتھ مقدمہ بھی ٹائپ میں چھپنے لگا۔ اچانک مارچ ۱۹۱۶ء میں انہیں بنگال سے اخراج کا حکم ہو گیا اور وہ رانچی (صوبہ بہار) چلے گئے۔ خیال تھا کہ "البلاغ" بھی جاری رکھیں گے اور "ترجمان" و "البیان" کی اشاعت میں بھی خلل نہ پڑے گا۔ مقدمہ "البیان" کے ساتھ ساتھ چھپتا جائے گا، مگر البلاغ بند ہو گیا پھر پے در پے تلاشیاں ہوئیں۔ تین مرتبہ کلکتہ میں اور دو مرتبہ رانچی میں۔ ان میں تمام مسودے، کتابت شدہ یا مطبوعہ فرمے، یادداشتوں اور نوٹوں کے بیش بہا ذخیرے پولیس نے اٹھوا لئے۔ سالہا سال کے بعد ان کا جو حصہ واپس ملا وہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ اس سے کوئی کام لیا جا سکتا۔

مقدمے کی طباعت کی تصدیق یوں ہوئی کہ اب اس کا ایک نامکمل اور خستہ فرمہ ملا جسے "ام القرآن" کے ساتھ چھاپا گیا۔ اس کے آغاز میں مقدمے کے پانچویں باب کا ذکر ہے۔ گویا یہ فرمہ پانچویں باب سے بعد کا ہے۔

ایک آیت کی تشریح

"ترجمان" میں مولانا کی کوشش یہ تھی کہ مفصل بحثیں نہ چھیڑیں، مگر کوئی ضروری معاملہ عام اصحاب کے لئے خلجان کا باعث ہو تو اُسے اختصاراً صاف کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے سورۂ انبیاء کے آخری مباحث میں اس معاملے کی بھی تشریح فرمائی، جسے بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منسوب کرکے ایک روایت کی توثیق کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

سورۂ انبیاء کی ایک آیت "تَاللّٰهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ الخ" کو بعض اصحاب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین باتوں میں سے ایک قرار دیا تھا جو خلاف واقعہ یا "کذب" تھیں۔ مولانا نے اس آیت کی تشریح فرمائی اس کا موقع اور محل واضح کر دیا، جس کے بعد اسے خلاف واقعہ سمجھنے کے لئے کوئی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ایسی دوسری بات "قَالَ إِنِّي سَقِيمٌ" قرار دی جاتی ہے جو سورۂ صافات میں ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کی تشریح تو سورۂ صافات میں آئے گی۔ تاہم اس کا کوئی بھی مطلب ٹھہرا لیا جائے، اس سے جھوٹ کا کون سا پہلو نکلتا ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں، اسے جھوٹ کیوں سمجھا جائے؟ باقی رہی تیسری بات کہ حضرت نے بعض مصالح کی بنا پر اپنی اہلیہ کو بادشاہ کے روبرو بہن کہا تو مولانا نے فرمایا، یہ بات قرآن میں کہیں نہیں آئی، تورات میں ہے اور تورات کے موجودہ نسخے کی صحت کا ذمہ ہم نہیں اٹھا سکتے۔

غیر معصوم کی شہادت اور یقینیاتِ دین

ظاہر ہے کہ مولانا نے "ترجمان" کے دائرہ بحث و نظر کے اندر رہتے ہوئے اصل شے کو بے بنیاد قرار دیا۔ ان کا اسلوبِ تحریر ذہنی الجھنوں ہی کا ازالہ نہیں کرتا بلکہ دل میں روحِ یقین تازہ کر دیتا ہے۔ فرمایا کہ قرآن نے نبی کا جو سب سے بڑا وصف قرار دیا ہے، وہ اس کی سچائی ہے۔ نبوت ایک سیرۃ ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے۔ حقیقت اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے، خواہ وہ کسی شکل اور کسی درجے میں ہو، نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

مولانا کو علم تھا کہ صحیحین کی ایک روایت اس اصل سے متعارض بنائی جاتی ہے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے "صحت" و "عصمت" کی بحث چھیڑی۔ یعنی یہ کہ روایت کی صحت کا مطلب ہے، ایسی صحت، جیسی اور جس درجے کی صحت ایک غیر معصوم انسان کے اختیارات ہی ہو سکتی ہے۔ عصمت کا اعتقاد نہیں۔ غیر معصوم کی شہادت ایک لمحے کے لئے بھی یقینیاتِ بینیہ کے مقابلے میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ ماننا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہو جائے گی۔

مولانا آزاد کا موقف

یہ اصل مسئلے کی اصولی حیثیت تھی، لیکن مولانا نے روایت سے قطع نظر نہیں کیا بلکہ فرمایا:۔

۱۔ یہاں ہم نے اصل واضح کر دی، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ روایتِ مشہورہ کے متن و اسناد پر نظر ڈالی جائے، اس کے لئے "البیان" کا انتظار کرنا چاہیئے۔

۲۔ قرآن کے بعد دین کی ان کتابوں میں جو انسانوں نے ترتیب دی ہیں، سب سے زیادہ صحیح کتابیں "جامع بخاری" اور "جامع مسلم" ہیں، ان کی ترجیح محض شروط کی بنا پر نہیں بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے چونکہ یہ دو باتیں (شہرت اور قبول) تاریخِ اسلام میں صرف انہی کتابوں کے حصے میں آئیں ولیس لھما ثالث اس لئے ان کی ہستی بجائے خود ایک دلیلِ صحت ہو گئی۔ صحیحین کی روایت محض اس لئے بھی قوی تر سمجھی جائے گی کہ وہ صحیحین کی روایت ہے۔ دوسرے مجامیع کی روایات کتنی ہی شروط بخاری و مسلم پر نکال کر دکھا دی جائیں لیکن وہ اس قوت کا ہم پلہ نہیں ہو سکتیں۔

بے تعلق نکتہ آفرینی

غرض صحیحین کا درجہ ترجیح مسلّم، روایت کے متن و اسناد پر نظر ڈالنا لازم، پھر معلوم نہیں تبصرہ نگار بزرگ نے ان حقائق کو نظر انداز فرما کر بعض عجیب و غریب نکات کہاں سے پیدا کر لئے اور انہیں اصل مبحث سے کیا علاقہ تھا؟ مثلاً:۔

۱۔ صحت حدیث کی قطعیت کا یہ معیار کہ کہیں کسی حدیث یا روایت کا قرآن مجید سے تعارض نہ ہو، خود محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی حقیقت بیں نگاہوں سے اوجھل نہ تھا۔

۲۔ جب امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اپنی اپنی صحیح میں اس حدیث کو، جو مولانا کے اس تصور حدیث کی بنیاد ہے نقل کر رہے تھے، اس وقت عصمت انبیاء جیسا اہم اور بنیادی مسئلہ ان سے پوشیدہ نہ تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳ - احادیث و روایات کا بیشتر حصہ (کذا فی الاصل) ظاہری اعتبار سے متعارض نظر آتا ہے مگر خود محدثین و فقہاءِ کرام نے اپنی دقتِ نظر اور مزاج شناسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ مذاق سے ہمیشہ فنِ تعبیر سے کام لیا جس سے یہ ظاہری تعارض بھی ختم ہو جاتا ہے۔

۴ - کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خود حدیث و روایت ہی کو جو متعارف معیار کے مطابق درست ہو حرف غلط کی طرح موقوف کر دیا ہو۔

۵ - حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "کذب" کی حدیث کو حجت بنا کر تشکیک کی راہ پیدا کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں، حالانکہ خود قرآن مجید میں اس کا قرینہ موجود ہے۔

کوئی کیا کہے؟

ان ارشاداتِ گرامی کو، جو یقیناً حجیت حدیث سے عشق و محبت کا کرشمہ ہیں، اصل معاملے سے کیا تعلق ہے؟ ایک شخص محض حدیث کی حجیت ہی کو لازم نہیں مانتا۔ یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ بخاری و مسلم کو تمام دواوین حدیث پر ترجیح ہے۔ یہ بھی کہتا ہے کہ زیرِ غور روایت کے متن و اسناد پر نظر ڈالنا ضروری ہے، مگر اسے "البیان" پر موقوف رکھتا ہے کیونکہ "ترجمان" کا دائرہ بحث محدود ہے۔ آخر اسے یہ جتلانے کا کون سا موقع اور محل تھا کہ محدثین کی نظروں سے یہ اوجھل نہ تھا اور بخاریؒ و مسلمؒ کی حقیقت بیں نگاہوں سے یہ پوشیدہ نہ تھا یا ظاہری تعارض کو فن تعبیر سے ختم کر دیا گیا یا حدیث معیارِ متعارف کے مطابق درست تھی اسے حرف غلط کی طرح موقوف کر دیا گیا۔

صاحبِ تحریر کا معاملہ

سوال یہ ہے کہ مولاناؒ نے کہاں کسی حدیث کو حجت بنا کر تشکیک کی راہ پیدا کی جس کے لئے بقولِ بزرگ محترم قرآن میں قرینہ موجود ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی نظر پہلے حدیث پر جاتی ہے اس کے بعد آپ قرآن سے قرینے پیدا کرتے ہیں؟ غالباً اسی وجہ سے مولانا نے پہلے آپ حضرات کے پیدا کردہ "قرینوں" کا صفایا کیا، پھر لکھا کہ اصل روایت کی جانچ پڑتال بھی ضروری ہے۔

غالباً مولانا کو اسی لئے یہ لکھنا پڑا کہ ہر گوشے کی طرح اس گوشے میں بھی متاخرین افراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ایک طرف فقہائے حنفیہ ہیں، جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ بخاری و مسلم کی مرویات کی زد ان کے مذہب پر پڑ رہی ہے، اس امر کی کوشش شروع کر دی کہ ان دونوں کتابوں کی صحت کی قوت کسی نہ کسی طرح کمزور کی جائے . . . حالانکہ صحیحین کی ترجیح محض ان شرائط کی بنا پر نہیں بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو چکا ہے۔ دوسری طرف عام اصحاب حدیث ہیں، جنہوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھیک تقلید کی وہی چادر اوڑھلی ہے جو فقہائے مقلدین کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی اور اسے پارہ پارہ کر دینا چاہتا تھا۔ ان کے سامنے جونہی بخاری و مسلم کا نام آجاتا ہے، بالکل درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ پھر کوئی دلیل وحجت بھی انہیں اس پر تیار نہیں کر سکتی کہ ان کی کسی روایت کی تضعیف پر اپنے آپ کو راضی کر سکیں"

سنگ دلی اور بے انصافی

زمانے کی ستم ظریفی نہیں، انتہائی سنگ دلی اور بے انصافی ملاحظہ ہو کہ جس فرد فرید نے ۱۹۱۲ء سے زندگی کے آخری سانس تک پورے چھیالیس سال حجیت حدیث کے قیام وثبات میں گزار دیئے اور مسلسل تحریری وتقریری دعوتوں سے حدیث کی اہمیت از سر نو قائم واستوار کر دی اس پر یہ الزام عائد کرتے وقت ایک محب حجیت حدیث کو تامل نہیں ہوتا کہ حدیث میں تشکیک کی راہ پیدا کی جا رہی ہے ؎

او بہ ہلاکِ من خوش است، من بہ بقائے عمرِ او
قاعدۂ وفا نگر، یار چنیں و من چناں

لیکن شکوہ زبان پر نہیں آسکتا۔ راہِ دعوتِ حق کے یہ وہ کانٹے ہیں کہ اگر داعیٔ حق کا دامن ان سے تار تار نہ ہو اور اس کا جسم زخموں سے لالہ زار نہ بن جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ دعوت کا حق ادا نہیں ہوا ؎

آزار از جراحت بیگانگاں رسد
مرہم منہ کہ زخم دل از آشنا رسید

شاید کلیم ہمدانی نے ایسے ہی حالات میں کہا تھا ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خارے اگر بہ پائے طلب ناخلیدہ ماند
از سر بگیر راہ بہ پایاں رسیدہ را

خوانندگانِ کرام کے ملاحظے کے لئے ان کوششوں کا سرسری سا ذکر غالباً بے محل نہ ہو جو مولاناؒ نے ابتدائے دورِ خدمت سے مقامِ حدیث کی استواری کے لئے فرمائیں۔ جن کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے :

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں ،

ایک مثال

۱۹۱۳ء کے اوائل کا واقعہ ہے۔ ربیع الاول کا مہینہ قریب تھا، کسی صاحب نے سوال کیا کہ میلاد کے سلسلے میں بعض روایتیں بیان کی جاتی ہیں جو بداہۃً غلط معلوم ہوتی ہیں۔ میں نے بطورِ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے متعلق ایک تحریر مرتب کی ہے، جب وہ چند علماء کی خدمت میں پیش کی گئی تو وہ برہم ہوئے کہ ان میں وہ واقعات موجود نہیں، جو بیان کئے جاتے ہیں۔" میں نے ایک عالم سے پوچھا کہ آیا وہ صحیح ہیں اور مستند تاریخوں یا احادیث میں ملتے ہیں"؟ تو جواب ملا کہ ملتے ہیں، مگر آج کل کے نیچریوں اور لا مذہبوں کو ان کے ماننے میں تامل ہے۔

موصوف نے وہ تمام واقعات بھی ایک ایک کر کے لکھ دیئے۔ ساتھ ہی لکھا کہ آیا ایسے واقعات عقل میں آتے ہیں؟

مولاناؒ نے " الہلال " میں بیان کردہ واقعات کی حقیقی حیثیت واضح فرما دی اور ان سب کو بے اصل و غلط بتایا، مگر ساتھ ہی لکھا :-

" روایات کی صحت و عدمِ صحت کی نسبت ضمناً جس خیال کا اظہار آپ نے (مستفسر نے) فرمایا۔ افسوس کہ فقیر اس سے متفق نہیں۔ یہ ایک نہایت خطرناک اصولی غلطی ہے۔ جس میں زمانہ حال کے مدعیانِ تحقیق و اجتہاد اور رہروانِ جادہ تطبیق عقل و نقل برسوں سے مبتلا ہیں۔ آپ نے بار بار اس سوال کو دہرایا کہ اگر یہ روایات صحیح ہیں تو آیا عقل میں آسکتی ہیں؟ جواباً گزارش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ روایات تو صحیح نہیں لیکن یہ اصول کب صحیح ہے کہ جو واقعہ عقل میں نہ آئے وہ یکسر غلط اور موضوع ہے ؟

آپ بلا تامل پوچھئے کہ یہ واقعات اصولِ فنِ روایت کی بنا پر کہاں تک صحیح اور قابلِ قبول ہیں اور بس آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اتنا ہی پوچھ لینا آپ کے مقصد کے لئے کافی ہے، لیکن یہ کہاں کا اصولِ تحقیق اور معیارِ تمیزِ حق و باطل ہے کہ واقعے کی صحت کے لئے پہلی شرط عقل کی تصدیق ہے ؟ آپ لوگ بے تکلف یہ جملہ کہہ دیا کرتے ہیں، مگر نہیں سمجھتے کہ یہ کیسی سوفسطائیت کی راہ ہے جو اس طرح آپ کے سامنے کھل جاتی ہے ؟

...قل کوئی معیار نہیں

ہر واقعے کی صحت کے لئے پہلی چیز اصولِ روایت اور صحتِ نقل کی شرائط کا اجتماع ہے اور بس نہ کہ زید و بکر کی عقل میں ...ا ۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ مارکونی کی ٹیلی گرام (بے تار پیغام رسانی) کو آپ کی عقل تسلیم کرتی ہے ...بلن جب اول مرتبہ اس کی ایجاد کی خبر یورپ کے کسی مستند پرچے میں دیکھی ہوگی تو اس کی ...پ نے تصدیق کی تھی یا نہیں ؟

آپ کو معلوم نہیں، یہی وہ سرحد ہے جہاں (باوجود اتحادِ مقصد و اصول) مجھے آج ...ں کے مصلحین مذہب سے الگ ہونا پڑتا ہے ۔ ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ جس حدیث اور جس ...ایت کو اپنے خودساختہ معیارِ عقلی سے ذرا سے الگ پاتے ہیں، مگا اس سے انکار کر دینے ...ے لئے بے چین ہوجاتے ہیں ۔ ۔ ۔ حالانکہ اگر انہیں علوم دینیہ کے حصول کا موقع ملا ہوتا اور ...م و فن پر نظر ہوتی تو وہ دیکھتے کہ اسی مقصد کو اصولِ فن کے ساتھ حل بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ ...یا ضرورت ہے کہ ان روایات کی تغلیط محض اس وجہ سے کر دی جائے کہ وہ ہماری عقل میں ...ہیں آتیں ؟ جب کہ اصول مقررہ حدیث و آثار، طریق جرح و تعدیل روایت، تحقیق و نقد ...روایت اور شہادات موثقہ اربابِ علم و فن کی بنا پر بغیر کسی دقت کے ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ ...روایات ہی پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں اور اصولِ فن کے اعتبار سے لائق احتجاج نہیں اس طرح ...یر سر رشتہ اصول کو ہاتھ سے دیئے اسی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا رح کی خدمت حدیث

یہ محض ایک مثال ہے۔ مولانا رح کی پوری حیاتِ دعوت ایسی مثالوں سے معمور ہے۔ یہاں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں جن کی زندگیاں علم حدیث کے پڑھانے میں بسر ہوئیں اور انہوں نے اس وسیع سرزمین میں یہ علم ازسرِنو زندہ کیا، جو دین کے اہم مآخذ میں سے ہے۔ لیکن نئے تعلیم یافتہ طبقہ میں حدیث کی عظمت و اہمیت پیدا کرنے کا جو اہم کام مولانا رح نے انجام دیا، اس میں کوئی ان کا شریک وسہیم نہیں۔ "الہلال" و "البلاغ" کی جلدوں میں سینکڑوں مضمون مل جائیں گے، جو احادیث کی شروح کے حامل ہیں اور یہ شروح ایسے دل آویز انداز میں کی گئی ہیں کہ پڑھتے ہی ہر شخص کے دل میں اتر جاتی ہیں۔ لیکن قدر شناسی کی یہ عجائب کاری ملاحظہ ہو کہ اسی شخصیت پر اس سلسلے میں تشکیک کا الزام لگایا جاتا ہے۔ مولانا رح آج اس دنیا میں موجود نہیں لیکن ہوتے بھی تو اس کے سوا کیا کہتے کہ:-

نیشکر آنچناں نخورد کس زدست دوست
کآزادگاں زدست مبارز سناں خورد

اور سب کچھ چھوڑ دیجئے۔ "ترجمان القرآن" ہی کو دیکھ لیجئے۔ مسلسل و متواتر احادیث کے حوالے موجود ہیں، ان سے اپنے پیش کردہ مطالب کی توثیق کی گئی ہے۔ کہیں بخاری کا حوالہ ہے، کہیں مسلم کا اور کہیں اصحابِ سنن کا۔ کیا یہ حدیث میں تشکیک کا ثبوت ہے؟ کیا اسے راہِ تشکیک پیدا کرنے سے تعبیر کیا جائے گا؟ حدیث سے عشق و محبت مسلّم سہی لیکن اس کا یہ طریقہ نہیں کہ جوشِ غیرت کا سرمایہ اپنوں ہی پر صرف کر دیا جائے اور مولانا محمد علی مرحوم کے ایجاد کردہ محاورے کے مطابق "پورس کے ہاتھی" بن کر اپنی ہی صفوں کو پامال کر ڈالا جائے۔

ایک نہایت عجیب نکتہ

ایک نہایت عجیب نکتہ یہ فرمایا گیا ہے کہ "کذب" کی شرعی اور لغوی حیثیت معلوم کر لی گئی ہوتی۔ اس سے امت پر سہولت و یُسر کی کتنی راہیں کھل گئی ہیں۔

سبحان اللہ! امت مرحوم پر سہولت و یُسر کی راہیں کھولنے کا کتنا عمدہ طریقہ سوچا گیا ہے؟ یعنی پہلے ایک جلیل القدر پیغمبر، جو سچائی کے مقامِ بلند پر فائز اور معصوم ہے "کذب"

© rasailojaraid.com

کا اثبات کیا جائے، اس کے لئے قرآن مجید میں کوئی وجہ و سبب موجود نہ ہو تو تفسیر بالرائے سے ایسے پہلو پیدا کرنے چاہئیں کہ روایت پر زد نہ پڑے۔ پھر "کذب" کی شرعی اور لغوی حیثیت کی توضیح کی جائے اور بتایا جائے کہ یہاں یہ لفظ ان معنیٰ میں استعمال نہیں ہوا۔ جس میں اسے قرآن حکیم نے بے شمار مقامات پر استعمال کیا ہے، حتیٰ کہ "لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ" بھی موجود ہے۔ بلکہ اس کے خاص اور محدود معنیٰ ہیں۔ اگر خدا کا ایک بندہ کہتا ہے کہ قرآن مجید میں اس اصدق الصادقین کے متعلق کوئی ایسی بات ثابت نہیں، جسے جھوٹ کہا جا سکے تو اس کے متعلق بے تکلف کہہ دیا جائے کہ وہ حدیث کے سلسلے میں راہ تشکیک پیدا کرتا ہے!

روتے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

احترامِ حدیث کی حیثیت

پھر میرے محترم بزرگ نے صرف بخاری اور مُسلم کا احترام سیکھا ہے اور احترام بھی ایسا کہ وہ قرآن حکیم کی آیت کو معانی ظاہرہ و باہرہ سے پھیرا دینے پر ہمہ تن تیار ہیں، بلکہ اس میں کسی کو تامل ہو تو اس پر تشکیک کی خدنگ افگنی کے لئے آمادہ ہیں۔ مگر صحیحین کی کسی روایت پر مزید غور و فکر یا تحقیقِ متن و اسناد کی اجازت دینے پر بھی رضامند نہیں۔ کیا انہیں معلوم ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور نے ۱۹۱۴ء میں اعلان فرمایا تھا کہ صحیح بخاری اس دنیا کی بہترین کتاب ہے؟ آپ کو یہ حقائق تو یاد نہ رہے، صرف یہ یاد رہ گیا کہ مولاناؒ کی ایک تحریر سے حدیث میں تشکیک کا راستہ کھلتا ہے۔

تمہیں لے دے کے ساری داستان سے یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندوکش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

تاریخِ اسلام کی بہترین کتاب

۱۹۱۴ء میں مولانا شبلی مرحوم و مغفور کی وفات پر کلکتہ میں ایک جلسۂ تعزیت ہوا تھا جس میں مولانا آزاد نے "شبلی کی حیات علمی و ادبی" پر ڈیڑھ گھنٹہ تقریر فرمائی تھی، اس میں تدوینِ علوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ذکر فرماتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ متقدمین کی کتابیں متاخرین کے مقابلے میں بہتر ہیں۔ اس ضمن میں فرمایا:۔

"نہ صرف عظمت موضوع ونفس مضمون کے لحاظ سے، بلکہ طرزِ تصنیف وترتیب ضبطِ مطالب اور حسنِ تقسیم وتنظیم کے لحاظ سے بھی تاریخ اسلام میں بہترین کتاب صحیح بخاری لکھی گئی ہے اور کوئی اسلامی تصنیف اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ امام بخاریؒ کے بعد بقیہ اصحاب صحاح، جامعین سنن ومعاجم ومسانید نے نئے نئے اسلوب مطالب پیدا کئے مگر کوئی کتاب صحیح بخاری تک نہ پہنچ سکی اور یہ میں محض حدیث کی قدیم خوش اعتقادی کی بنا پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یقین کیجئے اس فنِ تصنیف کو پیشِ نظر رکھ کر، جو ترقی یافتہ علمی زبانوں میں آج پایا جاتا ہے، میں نے علیٰ وجہِ البصیرۃ یہ رائے قائم کی ہے"

(البلاغ ۱۷ / ۲۴ دسمبر ۱۹۱۵ء)

یہ اس جلیل القدر ہستی کا اعلان "صحیح بخاری" کے متعلق ہے اور آج کا نہیں باون سال بیشتر کا اعلان ہے اور یہ رائے اس نے ترقی یافتہ علمی زبانوں کے مروجہ فن تصنیف کی بنا پر قائم کی تھی:۔

خیال کن تو کجائی وما کجا واعظ

حقیقتِ حال

یہ بھی کہہ دوں کہ "تَاللّٰهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ الخ" اور "قَالَ إِنِّي سَقِيمٌ" تو بحمد اللہ ہر شائبۂ کذب سے بالکل پاک ہیں، اِلّا یہ کہ قرآن کے الفاظ سے خواہ وہ معنیٰ نکالنے کی کوشش کی جائے، جو ان سے نہیں نکلتے، لیکن تورات کی جو روایت اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہے، وہ بھی بداہتہً ناقابل قبول ہے۔ مولانا نے تو یہ فرما کر معاملہ ختم کر دیا تھا کہ تورات کے موجودہ نسخے کی صحت کا ذمہ ہم نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن میری گزارش ہے کہ اس سلسلے میں تورات کا بیان خود لبریزِ اضطراب ہے مثلاً:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کی عمر میں صرف دس برس کا فرق تھا کیونکہ تورات کی روایت کے مطابق جب حضرت سارہؓ کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت ملی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تب ابراہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوّے برس کی ہے، اولاد ہوگی۔ (پیدائش باب ۱۷ آیت ۱۸)۔

۲۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حاران سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے تو ان کی عمر پچھتر برس کی تھی۔(پیدائش باب ۱۲، آیت ۵) گویا اس وقت حضرت سارہ پینسٹھ برس کی ہوں گی۔

۳۔ بادشاہِ مصر کے روبرو، حضرت سارہ کو بہن قرار دینے کا معاملہ (حسبِ روایتِ تورات) اس سے بھی بعد پیش آیا اور حضرت سارہ اس وقت تک پینسٹھ برس سے متجاوز ہوں گی۔

پھر کیا کوئی فرد بہ سلامتِ ہوش وحواس یہ ماننے کے لئے تیار ہو سکتا ہے کہ جو خاتون پینسٹھ اور ستر برس کے درمیان تھی، اس سے شاہ مصر شادی کے لئے مضطرب ہوا ہوگا یا ہو سکتا تھا!

غرض عمارتِ "کذب" کے دو ستون پہلے گر چکے تھے۔ رہا تیسرا ستون تو وہ درحقیقت ستون نہیں محض وہم کی تخلیق ہے۔

برق افگنی کے مزید کرشمے صاحبِ تحریر کے ابرِ غیظ کی برق افگنی اس معاملے پر ختم نہیں ہوئی بعض اور مطالب بھی اس کی زد میں آگئے ہیں، ایک مقام پر تو انہوں نے کمال ہی کر دکھایا، فرماتے ہیں:

"وہ خود (یعنی مولانا آزادؒ) محض ماہرینِ آثارِ قدیمہ کی تحقیقات اور روایات کو، جو سراسر ظنی اور وہمی ہوتی ہیں، بنیاد بنا کر قرآن مجید کی تفسیر اور نتائج کا استخراج کرتے ہوتے حدیثی اور روایتی تفسیر قرآن میں بہت سی "بوالعجبیوں" کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ظنی اور وہمی تحقیقات تفسیرِ قرآن کا مستند ترین ماخذ ہے۔ چنانچہ قرآن کے ذوالقرنین کو وہ قطعی طور پر سائرس خیال کرتے ہیں، حالانکہ مولاناؒ کے اس قطعی یقین کا ماخذ قرآن کا فرمودہ نہیں۔"

بے اصل واساس میں اس عبارت کو "کذب" قرار دوں تو شاید اس لفظ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"شرعی اور لغوی حیثیت" کا مسئلہ سامنے آجائے البتہ یہ عرض کرنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ محض بے اصل و اساس ہی نہیں صریح افترا ہے۔ کیونکہ "ترجمان القرآن" کی دونوں جلدوں کے کم و بیش بارہ سو صفحات بلکہ ابتداء سے آخر تک مولانا کی تحریرات کے ہزاروں صفحات میں سے ایک سطر یا سطر کا ایک ٹکڑا بھی ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا، جس میں اثری تحقیقات کو "مستند ترین ماخذ تفسیر کہا گیا ہو، مانا گیا ہو یا اس حیثیت میں اس سے کام لیا گیا ہو۔ جس آیت کی تفسیر سے تہمتِ کذب کا قطعی ازالہ کیا گیا، اس میں بھی کہیں اثری تحقیقات کا ماخذ زیر غور نہیں آیا۔ صرف آیت کے موقع و محل کی تشریح الفاظ کے مطابق کھول کر کی گئی اور بتایا گیا کہ اس کا مفہوم کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن نہ یہ "حدیثی اور روایتی تفسیر" کی "بوالعجبی" ہے، نہ اس میں آثارِ قدیمہ کی سراسر ظنی اور وہمی تحقیقات کا کہیں ذکر آیا ہے۔ نہ کسی مقام پر قرآن مجید کی کسی آیت یا اس کے کسی ٹکڑے کی تشریح آثارِ قدیمہ کی بناء پر کی گئی ہے البتہ اگر آثارِ قدیمہ کی کوئی چھان بین قرآن مجید کے کسی بیان کی مؤید ثابت ہوتی ہے تو اسے تائید میں پیش کر دینا گناہ نہیں۔ اصولِ عربیت، سیاق و سباق یا کسی بھی مستند طریقے سے اس تفسیر پر اعتراض کیا جا سکے تو ضرور کیجئے لیکن افترا کی بت تراشیوں سے کام لینا تو بے چارگی کی دلیل ہے۔ جو کم حوصلہ افراد کا آخری مأمن ہے۔

کیا یہ مقصدیت ہے جس کی مجروحیت کے احساس نے آپ کو اضطراب کے شعلہ زار میں پہنچایا؟ کیا یہ قرآن و احادیث میں گہری بصیرت سے پر دامنی ہے اور کیا اسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تعلیمات سے کامل واقفیت کی آئینہ داری سمجھا جائے گا:

اے حسن گر از راست نہ رنجی، سخنے ہست
تا ز این ہمہ، یعنی چہ؟ کمر ہیچ و دہاں ہیچ

کیا یہ سمجھا جائے کہ آپ کے پاس چونکہ کوئی صحیح اور مستند بات کہنے کے لئے تھی نہیں لہٰذا ہیر پھیر سے ایک چیز گھڑی اور اس مرحوم کے ذمے لگا دی جو جواب دہی کے لئے اس دنیا میں موجود نہیں۔ یہ طریقہ اخلاقی، دینی، شرعی اور عام انسانی نقطہ نگاہ سے جو حیثیت رکھتا ہے، اس کی توضیح غیر ضروری ہے۔ یقین رکھیں کہ مولاناؒ نے چھیالیس سال کی علمی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داعیانہ زندگی میں اس نوعیت کا ایک لفظ بھی اپنے لئے کبھی جائز نہیں سمجھا اور یہ بھی یقین رکھیں کہ علم حدیث کی حکمیت کو ایسے افسوسناک شیووں سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

باقی رہا "سائرس" کا معاملہ تو بزرگ محترم! جب یمن کے ایک متبع کو ذوالقرنین کا تاج پہنایا جاتا رہا تو وہ بھی "فرمودۂ خدا" تھا۔ جب سکندر یونانی کو اس مسند پر بٹھایا گیا جو کتنا ہی بڑا فاتح ہو لیکن سخت ظالم اور بت پرست تھا اور اپنا سلسلہ نسب جو پیٹر دیوتا سے ملاتا تھا تو وہ بھی درست تھا۔ پھر ترقی کی تو دارا گشتاپ کیانی سے جوڑ دیا، اس وقت بھی "فرمودہ خدا" کے طلب گاروں میں سے کسی کی زبان نہ کھلی حالانکہ صرف تاریخی اعتبار سے بھی یہ باتیں اتنی فرومایہ اور غیر معقول تھیں کہ سمجھ میں نہیں آتا، کیا کہا جائے۔ مولانا نے خالص تاریخی نیز بعض صحائفِ تورات کے اشاروں کی روشنی میں ایک ایسی شخصیت متعین کرنے کی کوشش کی، جس پر قرآن کے ذوالقرنین کا لباس غیر موزوں نہ ہو۔ تاہم انہوں نے کہیں نہیں کہا کہ آپ اسے ضرور مانیں، کہیں نہیں لکھا کہ یہ "فرمودۂ خدا" ہے۔ ذوالقرنین کو "سائرس" ماننا عقائدِ اسلام کا جزو نہیں۔ ساتھ ہی یقین رکھیں کہ تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ الخ بہرحال ہر شائبۂ "کذب" سے پاک و مبرا ہے اور مولاناؒ کا یہ ارشاد بہرحال حق ہے اور ہمیشہ حق رہے گا:

> "نبوت ایک سیرت ہے، جو صرف سچائی سے بنتی ہے، حقیقت اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے، خواہ وہ کسی شکل اور کسی درجے میں ہو، نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔"

صرف اتنا اور کہ —

آخر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

آخری گزارش

یہ باتیں تو ایسی تھیں، جو مجھ فرمایہ علم و عقل کی سطح سے بہت اونچی تھیں، لیکن میرے محترم بزرگوار خفا نہ ہوں تو ایک بات اور بھی گوش گزار کرنے کا خواہاں ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موصوف نے ابوسلمان صاحب شاہ جہان پوری کا ذکر جن افسوسناک الفا
حد درجہ ناخوشگوار انداز اور حوصلہ شکن طریق پر کیا، اس کے لئے وہ کون سے وجہ جوا
کر سکتے ہیں؟ فرض کیجیئے میں زیادہ پڑھا لکھا نہیں یا تحریر میں مجھے مشاق کا درجہ حاصہ
نہیں اور بالغ نظری و تحقیق سے بھی عاری ہوں لیکن لکھنے کا شوق ہے، خدمت کی ت
ہے تو کیا مجھے اس وقت تک انتظار کرنا چاہیئے جب تک قرآن و حدیث میں گہری بص
سے دامن پُر نہ ہو جائے اور جب تک شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات سے وسیع واقفیہ
کے درجے پر نہ پہنچ جاؤں؟ یہ سب کچھ بھی بزرگوارِ محترم کے معیار پر پورا اترنا
ہے، ورنہ رد کر دیا جائے گا۔ کیا انہوں نے کبھی سوچا کہ ان اوصاف سے متصف
لوگ تو کروڑوں مسلمانوں میں سے شاید بہت ہی کم نکلیں لیکن ہر مسلمان کے لئے اس
اوصاف سے متصف ہونا تو لازم ہے۔ مثلاً گفتار میں نرمی اور ملائمیت، انداز حوصلہ ش
کا نہیں بلکہ حوصلہ افزائی کا ہو، اسلوب ایسا ہو کہ متعلقہ شخص کو اپنی کوتاہیوں کی تل
کا موقع ملے نہ کہ اس کا دل دو نیم ہو جائے۔ مولانا رومؒ نے فرمایا تھا:

علم را بر دل زنی یارے بود

لیکن بزرگوارِ محترم نے تو علم سے یہ کام نہیں لیا بلکہ وہی صورت پیدا ک
چاہی کہ:

کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

قرآن مجید کے ارشاد میں "حکمت" اور "موعظۂ حسنہ" کی تاکید ہے، لیکن موص
نے جو کچھ فرمایا وہ تو ان دونوں عنوانوں میں سے کسی کے بھی تحت نہیں آتا۔ کیا مجھ ایسے
طالبانِ علم کو کلیم ہمدانی کا ہم زبان ہونا چاہیئے؟ جو کہتا ہے:

زاہدانِ ایں زماں معیارِ حق و باطل اند
ہر چہ را منکر شوند ایں قوم باور می کنم

© rasailojaraid.com